ڈاکٹر عذرا یاسمین
پرنسپل، گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، تحصیل شجاع آباد، ملتان

مارکیز اور اردو فکشن کے سماجی و ثقافتی اظہاریے: تقابلی جائزہ

Abstracts

Marquez and Socio-Cultural Expressions of Urdu Fiction: A Comparative Study

By Dr. Azra Yasmeen, Principal, Govt. Graduate College for Women, Tehsil Shujabad, Multan.

A writer, belongs to any region of world, conscientiously observes the changing situation around him and describes it through his thoughts. His writings beautifully amalgamate reality and surrealism. Gabriel García Márquez (Born March 6, 1927 and Died April 17, 2014) reflected profoundly on the political, social life and culture of Latin America (Colombia) in his works. The realities portrayed in his writings bear an incredibly striking resemblance to our region. Renowned Urdu literature authors have taken the contemporary situation as a subject, signifying that a writer, no matter which part of the world they belong to, or what language they speak, raises their voice in righteousness against the injustices and tyrannical forces of their region and era. Their voice is often laden with pain, and this creative journey continues and sustains, always illuminating the hope of a bright morning, perpetually awakening the spirit of endeavour and struggle.

Keywords: Gabriel García Márquez, Latin America Fiction, Novel, Novel, Short Stories, Amalgamate, Surrealism, Righteousness, Tyrannical forces, Colonialism

کلیدی الفاظ: افسانہ، ناول، مختصر کہانی، حقیقت پسندی یا ماورائے حقیقت، امتزاج، راست بازی، ظلم و جبر و استبداد، نوآبادیاتی نظام

انسان کی زندگی براہِ راست حالات سے متاثر ہوتی ہے اور ادب اور ادیب اس زندگی سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ ادیب اپنے اردگرد بدلتی صورتوں کی زد میں آئے شعور کا مطالعہ کرتا ہے اور اپنی فکر سے نا صرف اس کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اسے آگے بڑھانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔

جغرافیائی لحاظ سے دنیا مختلف خطوں میں تقسیم ہے اور ان میں تیسری دنیا ایک وسیع اور متنوع دنیا ہے اور تیسری دنیا کے ادب میں لاطینی امریکا اپنی ایک الگ شناخت رکھتا ہے جس کی تہذیب و ثقافت اور کلچر پر کئی عوامل کے اثرات ہیں۔ اس خطے میں نوبل پرائز جیتنے والے لوگ ہیں۔ لاطینی امریکا کے ادب میں ہمیں قدیم و جدید دنیاؤں کے امتزاج اور تصادم کا بھرپور انداز ملتا ہے۔ یہ چونکہ خود سیاسی اور ذہنی اعتبار سے ایک نوآبادی ہے۔ اس لیے اس کے لکھنے والوں کے لیے اہم مسئلہ ان کی اپنی شناخت کا ہے اور ان کے ادب میں حقیقت اور ماورائے حقیقت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے جو اس خطہ کے ادب کی خاص خوبی ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں صنعتی انقلاب کی آمد کے بعد جمہوریہ کولمبیا کی بنیاد رکھی گئی۔ یہاں کے لوگوں نے قریباً نصف صدی تک بدامنی اور انتشار کا سامنا کیا اور بیسویں صدی کی ادبی تحریک 'لاطینی امریکا بوم' کے نام سے مشہور ہے لاطینی امریکا کا ادب جو وسیع اور گہری روایات کا حامل ہے کئی صدیوں پر محیط ہے اور اس کے نامور ادیبوں میں نوبل انعام یافتہ ناول نگار گابرئیل گارشیا مارکیز Gabriel García Márquez کا نام شامل ہے جو کہ کولمبیا کے نامور ناول نگار، افسانہ نگار اور صحافی تھے۔ دنیا انھیں 'گابو' کے نام سے جانتی ہے وہ ادب کے پُرشوق لکھاری تھے۔

گارشیا مارکیز کو عالمی سطح پر ایک ایسا ناول نگار تسلیم کیا گیا ہے جو ادب کے قارئین کے لیے حیرت کے نئے جہاں تخلیق کرتا ہے اور اس کی وابستگی صرف کولمبیا یا اس خطے تک محدود نہیں بلکہ وہ پوری دنیا کے سیاسی اور سماجی اور آئندہ دنیا کی حیققت کو ایک سچے لکھاری کی طرح بیان کرتا ہے۔ وہ ایک بے مثل ادیب ہے جس کے ناولوں اور افسانوں کے مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں اپنے تجربات، واقعات خیالات و افکار کی آمیزش سے فرد کی سماجی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ ان کی تحریروں کی حقیقتیں ناقابل یقین حد تک ہمارے خطے سے مماثلت رکھتی ہیں۔

> ''تیسری دنیا ایک وسیع اور متنوع دنیا ہے اور اس کی سب سے بڑی پہچان وہ جدوجہد ہے جو یہ دنیا خود کو نوآبادیاتی شکنجوں سے آزاد کرنے کے لیے کر رہی ہے۔''(۱)

گزشتہ دو صدیوں میں مغرب میں خصوصاً ناول کے فن نے بہت زیادہ ترقی کی ہے اور یہاں کے ناول نگاروں

نے اپنے دور کی پیچیدگیوں اور زندگی کے نشیب و فراز کو ناول کی صنف میں سمو کر موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ ان میں گارشیا مارکیز اس لیے نمایاں ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے طلسماتی دنیا تخلیق کرنے کے ماہر تھے۔ ان کے داستانوی اندازِ بیان میں تراشے گئے کردار غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہیں اور وہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

اس کے ہاں واضح خوبی جادوئی حقیقت نگاری ہے جس کے پردے میں اس نے لاطینی امریکا، نوآبادیاتی نظام کے مظالم، مکر و فریب اور معاشرے کے افراد کی محرومیوں سیاسی و سماجی بے چینی اور معاشرتی صورت حال کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اس کے ہاں تخلیقی نکتہ تنہائی ہے۔ محبت اور یاد مشترکہ عناصر ہیں۔ اور محبت عقل سے ماورا دکھائی دیتی ہے اور تنہائی کا احساس اس کے ہر ناول کے مرکزی کردار کے ساتھ جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے اور یاد اس کے ہاں ماضی کا مضبوط حوالہ ہے اور اس نے اپنی تحریروں میں سماجی و معاشرتی اقدار توڑنے کی کوشش کی ہے اور مذہبی انتہا پسندی پر طنز بھی کیا ہے اور سیاسی صورت حال کو اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے اور ایک پس ماندہ خطے کی نمائندگی کرتے ہوئے کہانی کے روایتی سانچوں کو توڑ کر اپنی تحریروں میں حیرتوں کے نئے جہان آباد کیے ہیں۔

مارکیز کا قصہ گوئی کا انداز، خبر سے کہانی بننا، مافوق الفطرت عناصر کو اپنے خاص بیانیہ سے کہانیوں کا موضوع بناتا، طلسماتی حقیقت نگاری، معاشرے میں طاقتوروں کے ہاتھوں عوام کا استحصال، مذہبی اور سیاسی بازی گروں کے ہاتھوں عوام کے حقوق کی پامالی یہ سب لاطینی ادب میں مماثلت کے حامل ہیں کیونکہ ہندوستان کی سرزمین بھی داستانوی رنگ کا اسلوب لیے ہوئے ہے جو سنسکرت، عربی فارسی سے اردو زبان پر اثر انداز ہوا ہے۔

عالمی منظر نامے کا جائزہ لیتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۶۰ء کے بعد ادب کے عالمی منظر نامے میں اردو ناول و افسانے پر بھی دنیا کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

> ''۱۹۵۸ء تک اردو افسانہ مختلف النوع سیاسی، سماجی لہروں اور تحریکوں کے زیرِ اثر رہا لیکن اس کے بعد یہ کسی خاص رجحان یا تحریک کا پابند دکھائی نہیں دیتا۔''(۲)

اردو ادب کے چند نامور ناول نگار ہمیں مختلف جہتوں میں کہانی بیان کرتے نظر آتے ہیں جن میں قرۃ العین کا ناول **آگ کا دریا** اپنے فنی عروج پر ہے جس میں وقت کے ایک طویل عرصے کو گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے اور عبداللہ حسین نے جدیدیت کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے اور انتظار حسین نے اساطیر، تاریخ اور ہم عصر صورت حال کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے اور انور سجاد کے ناولوں پر مغربی فلسفیوں کے نمایاں اثرات ہیں۔

ان سب میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ناول 'بہاؤ' ایک نئی تخلیقی زبان تراشی ہے اور قدیم تاریخ و اساطیر کو کہانی کا موضوع بنایا ہے اور زوال کو فنا کی ایسی لہر کہا ہے جو مظلوم سب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے اور وہ قومیں جن میں دنیا اور وقت کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تو پھر وقت کا بہاؤ اپنے ساتھ ان کی بستیاں،

خوشحالی، کھیت سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے اور پھر قوموں کے زوال اور بستیوں کا المیہ باقی رہ جاتا ہے اور یوں وقت کسی بھی خوش بخت کو صدیوں تک بدبختی اور عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔

ان کا دوسرا ناول راکھ بھی تہذیب کا شعور رکھنے کے ساتھ ہی تاریخی صداقتوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ بقول تارڑ:

> ''راکھ سمبل ہے تہذیب کے ختم ہونے کا راکھ میں چنگاری ہوتی ہے یعنی آس اور امید کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔''(۳)

اردو ادب کے ادیبوں نے جادوئی حقیقت نگاری، یاد، تنہائی اور سیاسی و سماجی صورت حال کو تخلیقات کا موضوع بنایا ہے اور پاکستان کی سیاسی فضا کی گھٹن کے دوران استعاراتی، علامتی اور تجریدی انداز میں آواز بلند کی اور ناول کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی۔ تارڑ نے اس دور کے حالات، انتشار اور سیاسی جبر کی پالیسی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے اور ہم نے دیکھا کہ ان کا ناول خس و خاشاک زمانے جو ۲۰۱۰ء میں تخلیق ہوا۔ اس میں وقت کا بہاؤ تہذیبی و تاریخی کہانیاں، فرد کی تنہائی، مذہبی انتہا پسندی اور جادوئی حقیقت نگاری کو تین نسلوں نے وقت کے ساتھ ساتھ جو کچھ دیکھا سہا اور محسوس کیا میں بیان کیا ہے۔

ناول خس و خاشاک زمانے کی کہانی ۱۹۲۹ء کے زمانے کے قریب شروع ہوتی ہے جس میں تقسیم ہند کے سیاسی و سماجی واقعات و حالات کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور اس میں تقسیم ہند کے نتیجے میں جدا ہونے والے دو دوستوں بخت جہاں اور لہناں سنگھ کی کہانی ہے اور یہ دونوں نسلیں وقت کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس میں تقسیم ہند کے بعد کی سیاسی صورت حال پھر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے جنگوں کے حالات کو بیان کرتے ہوئے ہم اکیسویں صدی میں آموجود ہوتے ہیں جہاں ہر فرد اپنے باطن اور بقا کی جنگ لڑتا ہوا نظر آتا ہے اور مذہب کو موضوع بناتے ہوئے اس مسئلہ کو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ مذہب یا عقیدہ کی لڑائی آخر کار صدیوں سے مل کر رہنے والوں کو جدا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے اور پھر پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد جب نسلیں اپنے اصل سے الگ ہوگئیں تو معاشی تنگدستی سماجی جبر اور زندگی کے مسائل کے منحوس اثرات لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے لگے اور اس ناول میں ان تمام تاریخی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات و واقعات کو نہایت مہارت سے بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ مصنف نے بین الاقوامی واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں عراق اور صدام حسین، افغان جہاد اور فلسطین کی صورتحال اور خاص واقعہ امریکا میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ جس کا الزام مسلمانوں پر لگایا گیا اور اس کے ردِ عمل میں مسلمانوں نے پوری دنیا میں ظلم و ستم کا سامنا کیا۔

ناول میں داستانوی ماحول ہے۔ اس میں ماہلو جو نہایت خوبصورت تھی اور سوکن نے زہر دیا تو وہ زیوروں سے لدی

ہوئی میکے آئی تو اسے اسی طرح دفنا دیا گیا اور وہ آسمانوں پر پینگ پر جھولا جھولتے اور اپنی قبر میں اترتی ہوئی دیکھی گئی ایک افسانوی کردار معلوم ہوتی ہے اور ناول میں مافوق الفطرت واقعات میں معنویت اور وسعت ہے۔ اس ناول میں مصنف نے اپنے اردگرد کی معاشی و سیاسی صورت حال کو منفرد پیرائے میں بیان کیا ہے کہ مذہبی انتہاپسندی اور طاقت کے زور پر کمزور ملکوں پر حملے اور مظالم کے طوفان کو موضوع بنایا ہے۔

اس موضوع میں تین نسلوں کی کہانی بیان کی گئی ہے جبکہ ناول تنہائی کے سو سال میں پانچ نسلوں کی کہانی ہے۔ مارکیز کے ناولوں کی مانند اس کے کردار بھی نسل در نسل آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں جو اپنے آباؤ اجداد سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اس ناول میں مردار کھانے والے سروسانسی نے طویل عمر پائی اور وہ تین نسلوں کا ساتھی رہا اور اس کی نسل شباہت اور انعام کے ساتھ نئی زندگی کی تخلیق کی صورت میں آگے بڑھی اور اس ناول کا اختتام روشنی، امید اور نسل نو سے وابستہ امنگوں کے ساتھ کیا ہے۔

مارکیز نے کولمبیا کے حالات و واقعات کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا جہاں ملک میں خود مختاری کے باوجود معاشی بحران، سیاسی و مذہبی منافرت اور غلامی جیسے مسائل ہیں اور ملکی سالمیت و خود مختاری ہمیشہ خطرات سے دوچار رہتی ہے۔ تارڑ نے بھی اپنے خطے کے حالات و واقعات کی تاریخ و تہذیب کی روشنی میں عکاسی کی ہے کہ پاکستان جس کے حصول کا اصل مقصد خوش حالی اور انصاف و بقا کی جنگ تھی مگر حکمران طبقہ مسندِ اقتدار پر بیٹھتے ہی بڑی طاقتوں کے ہاتھوں کھلونا بن گیا اور اپنی اقدار و روایات کو پسِ پشت ڈال دیا اور یوں یہ خطہ مفاد پرست ٹولے کے ہاتھوں یرغمال بنتا چلا گیا اور یہی لاطینی امریکا اور ہمارے خطے کا المیہ ہے جسے ان دونوں کہانی کاروں نے اپنا موضوع بنایا ہے۔

اس کے ساتھ ہی کہانی کار خالد جاوید اپنی کہانیوں میں باطن کو خارجی اشیا پر فوقیت دیتے ہوئے بیانیہ انداز اختیار کرتے ہیں اور زندگی کی تلخیوں کو اسی تلخی کے انداز میں ہی بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تاریخ کے جھروکوں سے اگر دیکھا جائے تو دوسری جنگِ عظیم کے بعد یورپ اور مشرق کے ممالک سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں بے پناہ ترقی ہونے کے باوجود نا صرف اپنے مسائل کا شکار ہو گئے بلکہ فرد بھی تنہائی کا شکار ہوتا چلا گیا اور تنہائی کا شکار یہ انسان مذہب و اعتقاد اور روشن خیالی کے دوراہے پر کھڑا نظر آتا ہے اور ایسی صورت حال نے جن سے نفسیاتی الجھنیں اور معاشرتی بگاڑ پیدا ہوا اور مالی وسائل گم ہوتے چلے گئے۔ انسان اپنے اردگرد سے کٹ کر اجنبی بن کر رہ گیا۔

خالد جاوید کے ناول موت کی کتاب میں کہانی کا آغاز دو سو سال قدیم دریافت شدہ نسخے سے ہوتا ہے جو ڈیم کے سوکھنے کے بعد کھنڈرات سے ملا اور اسی سے کہانی کا آغاز ہوا۔ اس میں قصبہ گرگٹہ تل ماس کا ذکر ہے جو گرگٹوں کی بہتات، زیادہ پاگل خانوں اور تل کی کھیتی کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔

ناول موت کی کتاب میں ایک ایسے فرد کی کہانی بیان کی ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے مسائل کا شکار تھا اور مرکزی کردار متکلم ہے جو اپنی کہانی خود سناتا ہے اس ناول میں محبت کو فرد کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے اس ناول کے نمایاں موضوعات جبر سیاسی و سماجی و مذہبی معاملات اور جادوئی حقیقت نگاری ہے۔ اس ناول میں ذہنی فریب، خود کلامی اور ہذیان کی زبان کی خوبیاں ملتی ہیں۔ مصنف نے غریب طبقے کے نفسیاتی اور سماجی مسائل کو بیان کیا ہے اور ناول میں موجود مبہم تصاویر علامتی انداز ظاہر کرتی ہیں۔

اس ناول کا آغاز بھی مارکیز کی کتاب محبتوں کے آسیب کے مانند پرانے کھنڈرات سے ملنے والے مخطوطے سے ہوتا ہے۔ اس ناول میں سیاست اور مذہب، طبقاتی کشمکش اور خیر و شر میں آغاز سے ہی پائے جانے والے تضادات کو بیان کیا گیا ہے اور محبت کے بارے میں مصنف کا خیال ہے کہ یہ ہمیشہ مغالطوں کا شکار رہتی ہے۔ ناول کے مرکزی کردار نے محبت کے بارے میں اپنا نظریہ دیتے ہوئے کہا کہ محبت اور گناہ کے ملاپ سے جو مخلوط پودا وجود میں آتا ہے اسے ببول کا درخت کہا اور جسمانی ملاپ کو بلیک ہول سے تشبیہ دی یعنی قربانی محبت، ہمدردی تکلیف اور بیماری سب اس کے پاس آ کر اسی بلیک ہول میں کہیں گم ہو جاتے ہیں اور یوں انسانی جسم کی محض ایک تاریک اور پر اسرار بل کے سوا کچھ حقیقت نہیں۔ مصنف نے ماضی کی بازیافت کرنا چاہی اور وقت کی گرد جھاڑ کر اپنے کل اور آج دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاں ماضی اور حال ایک ساتھ آگے بڑھتے اور سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

> ''کبھی کبھی بڑی دلچسپی بے چینی کے ساتھ یہ محسوس ہوتا ہے جیسے کسی زمانے میں میرا کوئی جزیرہ تھا جو زیرِ آب چلا گیا ہے۔ اس ڈوبے ہوئے جزیرے پر اب میرے پیروں کے نشان بھی باقی نہ بچے ہوں گے۔ ساری مٹی بہ گئی ہو گی اور ان نشانوں کی جگہ پر اونگھتی آنکھوں والی مچھلیاں اپنے گلپھڑے رگڑتی ہوں گی۔ میں نے حافظے کو، اس وفادار کتے کو اکثر آئینے کے ساتھ کھڑا ہو کر آواز لگاتا ہوں وہ کہیں بھٹک رہا ہے۔ میرا زیرِ آب جزیرہ اب اوپر نہیں آتا۔''(۴)

اس ناول میں مذہب کی آڑ میں لگائی جانے والی بے جا پابندیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو انسان کو مجبوراً مذہب سے دور بھاگنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ہمیشہ یہ ہوتا آیا ہے کہ مذہب کو بطور ہتھیار مقتدر طبقہ صرف اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور پھر وہ عام انسانوں کو کٹھ پتلیاں بنا کر اپنی مرضی کے مطابق ڈور ہلا کر مطلوبہ مقاصد حاصل کرتے ہیں:۔

> ''کم عمری میں مجھے مذہب سے تھوڑی دلچسپی تھی۔ مگر جیسے میں بڑا ہوتا گیا مذہب سے میرا جی بالکل اچاٹ ہوتا چلا گیا۔ میں نے خاص مواقع پر بھی عبادت گاہوں میں

جانا چھوڑ دیا کیونکہ وہاں جا کر محسوس ہوتا ہے جیسے میں پھر اسی بجلی کے لوہے کے
کالے کھمبے سے بندھا ہوا ہوں اور ایک سیاہ چابک آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا
ہے مجھے وہاں جانے میں خوف ستانے لگا۔"(۵)

ناول موت کی کتاب ایک وسیع موضوع پر مشتمل ہے جہاں دنیا کی حقیقت، سیاست، مذہب ان سب کے اثرات اور اتار چڑھاؤ کو بیان کیا گیا ہے اور ناول زماں کی قید سے آزاد ہے اور وقت کے بہاؤ کو بیان کیا گیا ہے اور وہ حافظے کی قوت کو ٹریفک کے اشاروں سے تشبیہ دیتا ہے اور وہ اپنا راستہ اس طرف موڑ لیتا ہے جس طرف وہ اشارہ کرتے ہیں۔

"میں صدیوں تک ایک لال ٹریفک سگنل کے سامنے چوراہے پر ساکت و جامد کھڑا
رہتا ہوں اور اس کے بعد خود کو روح کی تنگ اور پیچ دار گلیوں میں کالے پانی والی
نالیوں میں اوندھے منہ گرے گرے اپنے سر کی جانب بڑھتی ہوئی ایک ظالم ٹھوکر کو
میں دیکھتا ہوں کہیں دور خلاؤں سے، کسی اجنبی سیارے کی سوکھی مٹی، میرے دل پر
کٹ کٹ کر گرنے لگتی ہے دل میں خوں ملے ہوئے غبار کی دھند پھیل گئی۔"(۶)

مصنف نے اس ناول میں تانیثی وجود کو تسلسل حیات کی علامت قرار دیا ہے اور طبقاتی تضادات، جدید تصورات زندگی اور دورِ حاضر کے سیاسی و سماجی حالات کو مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں دنیا میں جہاں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہیں ادب میں بھی ناول اور افسانوں کے موضوعات بھی متاثر ہوئے۔ اسلوب اور تکنیک میں نئے تجربات کیے گئے اور اس دور میں ناول کے ساتھ ساتھ افسانہ کے فن میں بھی نمایاں ترقی ہوئی اور جدید افسانہ نگاری میں قرۃ العین حیدر کا نام نمایاں ہے۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے اہلِ مغرب کے ادب میں علامت نگاری کا اثر قبول کیا اور فرد کی تنہائی، بے بسی، خوف، سیاسی جبر اور منافقت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی انسانی اقدار کی تنزلی اور سماجی و سیاسی مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔

"ہمارا افسانہ زمین اور زماں سے ماورا ہو کر ادب کے عالمی گاؤں کا رکن بن گیا۔"(۷)

نامور لاطینی ادیب مارکیز کی تحریروں میں یاد، تنہائی، جادوئی حقیقت نگاری اور تہذیب و مذہب کی جن اقدار کو خاص طور پر موضوع بنایا گیا ہے۔ ہمارے اردو ادب کے تخلیق کاروں کی تحریروں میں بھی ایسی ہی تخلیقی فضا کی عکاسی ملتی ہے اور ان افسانہ نگاروں میں خاص طور پر انتظار حسین، محمد خالد اختر، اسد محمد خان، نیر مسعود، خالد جاوید اور آصف فرخی کے نام نمایاں ہیں جنھوں نے اپنی تحریروں میں نا صرف جادوئی حقیقت نگاری کو اپنایا بلکہ افرادِ معاشرہ کی سیاسی مذہبی سرگرمیوں محبت اور فرد کی تنہائی کو بھی موضوع بنایا۔

ان میں انتظار حسین نے افراد اور ماضی کی یادوں کا حسن اپنی کہانیوں میں سمو کر ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد ان سب

کو نا صرف اپنی تحریروں میں سمویا بلکہ ماضی کا سارا حسن اپنی یادوں میں سمیٹ کر پاکستان لے آئے۔

''اردو افسانے میں اگر کوئی ایک فرد دبستان قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ یقیناً انتظا حسین ہیں۔''(۸)

انتظا حسین اپنے دور کا سیاسی و سماجی شعور رکھنے والے ادیب ہیں جنھوں نے جاتک کہانیوں، برصغیر کی قدیم لوک کہانیاں داستان اور تہذیب و اساطیر کو مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے امتزاج سے ایک دلچسپ اسلوب کی بنیاد رکھی ہے جس کا اظہار بین الاقوامی ادب جادوئی یا طلسماتی حقیقت نگاری کی تکنیک کے طور پر ہو رہا تھا اور انھوں نے اپنی تحریروں میں انفرادیت قائم کرنے کی کوشش کی۔

کولمبیا کے ادیب مارکیز نے لاطینی امریکا کی ثقافت میں موجود عقائد میں سے ایک عقیدہ کہ اگر قریب ترین رشتہ دار سے شادی کی جائے تو سور کی دم والا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کے ناول تنہائی کے سو سال میں اسی جادوئی حقیقت نگاری کا بھرپور اظہار ملتا ہے اور اس ناول کے آغاز میں اس کی پیشن گوئی کی گئی اور اس خاندان میں جوزے ارکیدو کے چچا کی شادی ارسلا کی خالہ سے ہوئی جن کے ہاں سور کی دم والا لڑکا پیدا ہوا اور بیالیس سال زندہ رہا مگر دم کٹنے کی وجہ سے زیادہ خون بہنے کی وجہ سے فوت ہوگیا اور اسی بوئندا خاندان کی آخری نسل میں قریبی رشتہ داروں کی شادی کے سبب سور کی دم والا لڑکا پیدا ہوتے ہی مر گیا اور یوں یہ خاندان ختم ہوگیا۔

ایسی ہی کہانیاں ہندوستانی معاشرہ میں بھی موجود ہیں جن سے لوگوں میں خوف کی فضا پیدا کر کے اخلاقی اقدار کا سبق بڑھایا جاتا ہے اور برصغیر کے قاری کے لیے ایسے واقعات اجنبی نہیں۔ انتظا حسین نے اپنے افسانوں میں ایسی ہی توہمات اور مافوق الفطرت عناصر کو موضوع بنایا ہے جیسے جنوں پریوں پر اعتقاد، بزرگوں کے ساتھ جادوائی واقعات منسوب کرنا، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے وغیرہ جن کو بیان کرنے کے لیے تشبیہ و استعارہ سے کام لیا جاتا ہے۔

انتظا حسین کا تیسرا افسانوی مجموعہ آخری آدمی میں ہند دیومالائی اور اسلامی کلچر کو بیان کیا ہے جس میں اپنی بستی کے لوگوں کے خوابوں، آرزوؤں، یادوں اور حسرتوں کو بیان کیا ہے اور افسانہ آخری آدمی میں عذاب میں مبتلا ایک ایسی ہستی کی کہانی بیان کی ہے جس کے مکین (رہائشی) بندروں میں تبدیل ہو رہے تھے کیونکہ انھوں نے خدا کے حکم سے نا صرف روگردانی کی بلکہ مکر بھی کیا اور پھر ان کو سزا کا حقدار ٹھہرایا گیا اور جادوئی حقیقت نگاری کے عناصر پر مشتمل افسانوں میں ٹانگیں اور پرچھائیں شامل ہیں۔

افسانہ ٹانگیں میں جنسی بھوک کی جانب اشارہ ہے جو خوف اور تنہائی کے عالم میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہ دور ایوب خان کے مارشل لا کا تھا جب بے راہ روی اپنے عروج پر تھی اور اس سے مماثل صورتحال لاطینی امریکا میں تھی۔ مارکیز بھی اپنے ناول تنہائی کے سو سال میں ایک ایسی بستی، ماکوندو کا احوال بیان کر رہا تھا جس میں جنسی بے راہ روی بڑھتی

جارہی تھی اور فرد تنہائی کا شکار ہو رہا تھا۔

انتظار حسین اپنے چوتھے افسانوی مجموعے شہر افسوس میں زیادہ تر افسانوں میں اسلامی اساطیر کو مشترکہ المیوں کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اور اس کے ساتھ ہی نو آبادیاتی دور اور اس کے ساتھ آنے والی سائنسی تبدیلیوں کا بھی ذکر کیا ہے جب لوگ ریل اور پٹڑی سے خوف کھاتے تھے۔ اسی طرح برصغیر کی اساطیر میں سانپ کا تصور بھی موجود ہے اسی طرح ان کے پانچویں افسانوی مجموعے کچھوے میں حقیقت پسندی، سیاست اور ہند اسلامی دیومالائی رنگ کو افسانوں میں بیان کیا ہے۔ افسانہ کچھوے میں جاتک کہانیوں کا رنگ ہے اور ان میں سے ایک میں طوطا بدھ دیو جی کی شکل میں جنم لیتا ہے اور افسانوی مجموعے شہرزاد کے افسانوں میں موجودہ دور کے سماج کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں کا گامنتر کے نام سے نو کہانیاں ہیں جن میں کوے کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا ہے جس کا رویہ انسانوں جیسا ہے۔

> ''انتظار حسین نے اپنے افسانوی مجموعوں میں ثقافتی جڑوں کو تلاش کیا ہے اور قدیم و جدید اور معلوم و نامعلوم کے امتزاج سے ایک نئی دنیا تخلیق کر کے قاری پر نئے مفاہیم اجاگر کیے گئے ہیں۔''(۹)

انتظار حسین کی تحریروں میں قدیم و جدید کے امتزاج کے ساتھ جادوئی حقیقت نگاری اور بین الاقوامی ادب، سیاسی و سماجی حالات کی بہترین عکاسی ہے۔

محمد اختر خالد ایک وسیع المطالعہ افسانہ نگار ہیں جنہوں نے اپنے افسانوں میں سماجی شعور، دکھ اور اداسی کے عنصر کو بیان کیا ہے۔ ان کا لہجہ عام طور پر طنزیہ ہوتا ہے۔ ان کا افسانہ مقیاس المحبت سائنس فکشن کی مثال پیش کرتا ہے جس کا کردار ڈاکٹر غریب محمد نے محبت ناپنے کا آلہ ایجاد کیا اور اس کے بعد خودکشی کر لی۔ ایسا ہی ایک اور افسانہ 'سیٹھ تنواڑی کی تباہی' ہے میں غریب محمد کی روح کا ذکر ہے کہ جب سیٹھ تنواڑی نے اپنی دکان راوی سے واپس لی اور راوی نے غریب محمد کی روح سے مدد طلب کی تو اس کی شبیہ آلے کے آئینے میں دیکھی گئی گویا اس میں ہندوستان کی قدیم داستانوی روایت کا رنگ نظر آتا ہے جس میں روح کو خاص عمل کے ذریعے بلایا جاسکتا ہے اور ایسا صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ لاطینی امریکا اور افریقا میں بھی ادب میں جادو ٹونے اور ارواح کو بلائے جانے کے علوم کا ذکر ملتا ہے۔

محمد خالد اختر نے اس دور کے انسان کی تنہائی، جنوبی پنجاب کے لوگوں کی زندگی، دریا سے دوستی اور ریل کو اپنی کہانیوں میں بیان کیا ہے:

> ''انسان حقیقتاً تنہا اور بے گھر تھا وہ پھر کیوں دنیا میں گھر بسانے اور وطن اپنانے اور گیت گانے میں عمر صرف کرتا تھا؟ سمندر کی بے رحمی اور سفاکی اب اس پر عیاں ہونے لگی، سمندر آدمی کا دوست نہیں تھا۔ کائنات کی کوئی شے آدمی کی دوست نہ تھی

اسے دوڑتی ہوئی دمکتی لہروں میں ایک دبکی ہوئی دھمکی کا احساس ہونے لگا۔"(۱۰)

ان کے افسانوں میں مذہب کی فرسودہ روایات پر طنز نمایاں ہے۔ اپنے افسانوں **ننھا مانجھی اور زندگی کی کھانی** میں وقت کے بہاؤ کو بیان کیا ہے جہاں فرد کے کرب کو گاؤں کے پوسٹ ماسٹر رضی اکبر کے کردار میں بیان کیا ہے جو ہر سانحہ کے بعد پرسہ لیتے ہوئے کہتا تھا۔

"مشیت کا کرم ہمیشہ رضی اکبر کے گھر پر ہی ہوتا ہے۔"(۱۱)

ان کے افسانوں میں سیاہ فام تیسری دنیا اور وہاں رہنے والوں سے ظالمانہ اور غلامانہ سلوک اور لوگوں کی سوچ میں تبدیلی کے آثار کو بیان کیا گیا ہے۔ افسانہ نگار محمد خالد اختر نے اپنی افسانہ نگاری میں ایک نیا اور اچھوتا انداز اختیار کیا ہے۔ انھوں نے نا صرف عالمی و مقامی حالات کا بغور جائزہ لیا بلکہ ان حالات کو عالمی تناظر اور مقامی ثقافت کے امتزاج سے بیان کیا ہے اور سیاسی و سماجی حالات، فرد کی تنہائی اور معاشرتی تضادات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا گیا ہے۔

ان میں نمایاں افسانہ نگار اسد محمد خان کا انداز تحریر اس لیے منفرد ہے کہ انھوں نے کہانی کو اساطیر اور کردار نگاری کے دائرے سے باہر نکال کر تاریخ کے وسیع مدار کا رخ کیا وہ تاریخ جس میں ہم سب عام انسان رہتے بستے اور سانس لیتے ہیں۔ یہ ایسے افسانہ نگار ہیں جن کا زندگی کا گہرا تجربہ تھا اور انھوں نے اپنے دور کے پیچیدہ حقائق کو نئے فنی وسائل اور تکنیک کے ساتھ بیان کر کے تخیل، تاریخ اور عصر حاضر کو ایک نیا اندازِ بیان عطا کیا۔

ان کے افسانوں کے موضوعات بہت وسیع ہیں جن میں مذہب، جاگیرداری نظام، سماجی، سیاسی اور تاریخی موضوعات کو بہترین انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں طلسماتی حقیقت نگاری کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ ان کے افسانے **تر لوچن** میں جادوئی حقیقت نگاری کا مواد اساطیر سے لیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں تہذیبی تصادم اور ان کے انہدام کی کہانیاں ہیں کہ اب جب یہ دنیا گلوبل ویلج بنتی جارہی ہے۔ اس کے نتیجے میں شخصیات منقسم ہوں گی۔ تہذیب منہدم ہوجائے گی اور معاشروں کی شناخت اپنا وجود کھو بیٹھے گی۔

"اسد محمد خان نے اپنے انسانوں اور انسانی احساس کے عجیب منطقوں کو دریافت کیا ہے اور ان منطقوں کی سیادت کے دوران گہرے تجربوں کے زندہ رنگوں کو سمیٹا ہے۔"(۱۲)

اسد محمد خان نے اپنے دور کے سیاسی واقعات اور سماجی مسائل کو اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے جیسے حمود الرحمٰن کمیشن اور ایسے ہی سیکڑوں کمیشن جن کی رپورٹیں کبھی منظر عام پر نہیں آسکیں۔ انھوں نے معاشرے کی ریاکاری اور معاشرے کے محافظین کے کردار کی حقیقت کو بیان کیا ہے جو معاشرے کے افراد کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو مردہ خانوں کا چوکیدار بے جان لاشوں سے کرتا ہے۔ ان کے افسانوں میں تاریخیت کا پہلو نمایاں ہے جس میں انھوں نے

تاریخ نگاری کے فرسودہ نظام پر طنز کیا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں ایسی دنیا تخلیق کی ہے جس کا فرد، محبت، نفرت، سماجی تلخیوں، غصہ اور سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ان کے افسانوی مجموعے **تیسرے پھر کی کھانیاں** میں اپنے دور کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کو بیان کیا ہے اور تاریخ و مذہب کو معاشرے کے تضادات کے ساتھ طنز کے پردے میں بیان کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں محبت کا پہلو نمایاں ہے جن میں موجودہ دور کے ابتر سیاسی حالات، ہر طرف پھیلی مایوسی اور معاشرتی اقدار کے زوال کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

وہ مارکیز کی طرح مذہب اور سیاست اپنے عہد، سماجی اور دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں پر آزادانہ اظہار رائے دیتے ہیں۔

"Khan is brilliant prose stylist."(13)

جدید افسانہ نگاروں میں محقق، نقاد اور ترجمہ کار نیرؔ مسعود کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے فنِ افسانہ نگاری ورثے میں پایا۔ مگر اپنے افسانوی فن کی وجہ سے اردو ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان کے اکثر افسانوں میں اپنے وطن لکھنؤ کی ثقافت اور تہذیبی زوال کی تصویر ہے جن میں ثقافتی وجود کی گمشدگی کا احساس نمایاں ہے۔ خوف اور دہشت کے عناصر ان کے افسانوں میں موجود ہیں اور انھوں نے تہذیبی طور پر زوال آمادہ معاشرے سے اکثر اپنے افسانوں کا مواد حاصل کیا ہے اور وہ واقعہ کی بنیاد واہمہ پر رکھتے ہیں۔ عشق اور جنس کو خواہش اور خوف کی بدولت افسانوں میں خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

نیرؔ مسعود نے مارکیز کی طرح جادوئی حقیقت نگاری کی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ موت کی تنہائی، خوف، جنس مارکیز کے ناولوں کی مانند ان کے افسانوں میں بھی نمایاں عنصر ہے۔ ان کے افسانوں میں افسانہ سیمیا میں تہذیبی، مذہبی اور انسانی تعلقات کے اختتام کو موضوع بنایا گیا ہے جس میں پُراسرار اور طلسماتی اسلوب کی تکنیک اختیار کی ہے۔ 'سیمیا' جادو کا ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے روح کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کیا جاسکتا ہے اور وہ اشیا جن کا حقیقت یا وجود سے کوئی تعلق نہ ہو لوگوں کو دکھائے جاسکتے ہیں۔

افسانوی مجموعہ **طاؤس چمن، مینا** میں سے افسانہ نوشدارو ایسی دوا کا نام ہے جو موت سے پہلے مریض کو دی جائے تو اس کی شفا میں مریض کو موت نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح عطر کافور میں بھی سماجی حقیقت نگاری کا عنصر نمایاں ہے۔ مصنف نے معاشرے میں بدلتے رویوں کو جب لوگ مادیت پرست ہو چکے ہیں اور رشتوں کی پہچان ختم ہو چکی ہے۔ اس تلخ حقیقت کو اپنے افسانوں میں سمویا ہے جبکہ عہد قدیم میں لوگ نا صرف روایات کی پاسداری کرتے تھے بلکہ وہ ان کے لیے باعثِ حیرت تھے۔ انھوں نے عالمی ادب کے اثرات قبول کیے اور نئے سماجی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کا

افسانہ نربدا کا راوی میں ناول تنہائی کے سو سال کے قصبہ ماکوندو سے مماثلت رکھتا ہے جہاں لوگوں کے لیے برف ایک حیرت میں ڈالنے والی شے تھی ان کے افسانوں میں نئے سماجی موضوعات ہیں جن میں پراسراریت اور موت کے خوف میں مبتلا لوگ ہیں جن کے ذریعے مصنف نئی افسانوی دنیا تشکیل دیتا ہے۔

ان افسانہ نگاروں میں نمایاں مقام رکھنے والے عہدِ حاضر کے افسانہ نگار آصف فرخی ہیں جو کامیاب مترجم بھی ہیں اور ان کی تحریروں میں عالمی ادب کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ وہ ماضی، حال اور لوگوں کی بڑھتی بے حسی اور مٹتی ہوئی اقدار کو افسانوں کا موضوع بناتے ہیں، انھوں نے اپنی کتاب میرے بھی دن گزر رھے ھیں کے گرد پوش میں لکھا:۔

> ''اگر افسانہ میرے لیے کرب انگیز حد تک ذاتی معاملہ بن جائے تب تک میں اسے نہیں لکھتا بلکہ نہیں لکھ سکتا۔''(۱۴)

ان کے افسانوں میں ہند اسلامی دیو مالا، اساطیر، داستانوی انداز اور کرداروں کو علامتی انداز میں بیان کرنے کی خوبی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے پہلا افسانوی مجموعہ دادا سے اور دوسرے مجموعے کا انتساب اپنے والد کے نام کیا جس میں مشرق ومغرب کا بہترین امتزاج ہے۔ ان کے افسانہ 'سمندر' میں ماضی کی بازیافت ہے اور 'کاگ داس' میں بچپن کی کہانیوں کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے اور من شرما خلق اور بیروساون، میں آسیب اور اساطیر کو موضوع بنایا ہے۔ یہ وہ کہانیاں ہیں جو نسل در نسل ہندوستان میں چلی آرہی ہیں اور افسانہ سمندر کی بیماری میں جادوئی حقیقت نگاری کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور افسانہ سمندر کی چوری میں جادوئی حقیقت نگاری کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے جہاں لوگ سمندر کے غائب ہوجانے پر حیران ہیں۔

> ''سمندر جو شہر کے سامنے پاؤں پسارے ریت پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ وہ آناً فاناً نظروں کے سامنے سے غائب ہوجاتا ہے۔''(۱۵)

انھوں نے افسانوں میں معاشرتی صورت حال کو بیان کیا ہے کہ پسماندہ ممالک میں طاقتور طاقت کے بلبوتے پر ان ممالک کو مظالم کا نشانہ بنا رہے ہیں ار ان پسماندہ ممالک میں انسانوں کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ امیر اور طاقتور ان پر مسلط ہیں چاہے وہ لاطینی امریکا ہو یا پاکستان اور مذہب کی آڑ میں ذاتی مفادات حاصل کیے جاتے ہیں اور اس مادی ترقی کی دوڑ میں انسان اور انسانیت کہیں بہت دور پیچھے رہ گئے ہیں۔

> ''نائن الیون، چاروں طرف نائن الیون چوبیس گھنٹے نائن الیون، ٹی وی پر سب وے پر، لوگوں کی باتوں میں، لوگوں کی نظروں میں اور چہروں پر۔۔۔۔تب میں نے اپنے شہر کو یاد کیا ایک کراچی بھی تو ہے ہزاروں لوگ مرگئے اور کوئی نام و نشان نہیں حافظے پر کوئی بوجھ نہیں، اس شہر میں مار گئے۔۔ They've all been

papered over-"[۱۶]

گارشیا مارکیز کے اسلوب کے خاص موضوعات تنہائی، محبت، یاد اور جادوئی حقیقت نگاری آصف فرخی کے یہی نمایاں اثرات موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے گرد و پیش پر مشتمل واقعات، لوگوں کی گرتی ہوئی حالت، خود غرضی اور ان کے احساسات و جذبات پر آواز اٹھاتی ہیں اور انھوں نے قدیم و جدید کے امتزاج سے اپنے عہد اور اپنے شہر و روایات کو بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔

اس جائزہ سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ادیب چاہے اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی خطے سے ہو اس کی زبان خواہ کوئی بھی ہو وہ اپنے دور، علاقے میں ہونے والی ناانصافیوں، ظلم کی قوتوں کے خلاف صدائے حق بلند کرتا دکھائی دیتا ہے جو درد سے لبریز ہوتی ہے جیسا کہ گارشیا مارکیز نے نوبل انعام لیتے وقت اپنی تقریر میں ایک ادیب کے فرض کو ان الفاظ میں بیان کیا:۔

> ''میں یہ سوچنے کی جسارت کرتا ہوں کہ ہیبت ناک حقیقت، نہ کہ ادب میں اس کا اظہار، وہ شے ہے جو سویڈش کیڈمی آف لیٹرز کی توجہ کی مستحق ہوئی ہے بلکہ ایسی حقیقت جو کاغذی نہیں ہے بلکہ ہمارے اندر رہتی بستی ہے جو ہر لمحے ہماری بے شمار روزانہ اموات منتج ہو رہی ہے اور جو ایک میسر نہ ہونے والی خلاقیت کے منبعے کو شاداب رکھتی ہے جو درد اور حسن سے معمور ہے اور یہ یادوں کا اسیر کولمبین جس کا ایک ذرہ ہے جسے تقدیر نے چن لیا ہے۔ شاعر، گداگر، موسیقار، پیغامبر، جنگ باز اور بدمعاش، اس بے لگام حقیقت کی تمام مخلوقات۔ ہم سب کو تکمیل کے در پر کم ہی صدا لگانی پڑتی ہے کیونکہ ہمارا مسئلہ تو ایسے اظہار یا ذریعے کی تلاش کر رہا ہے جو ہماری زندگیوں کو ناقابل یقین بنانے میں ہماری مدد کر سکے، یہی میرے دوستو، ہماری تنہائی کا عقدہ ہے۔''[۱۷]

یہ وہ الفاظ ہیں جو ہر درد مند دل رکھنے والے ادیب کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں کیونکہ تیسری دنیا میں استعماری قوتیں ہمیشہ اپنے مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا استحصال کرتی ہیں گویا استعماریت اور سرمایہ دارانہ نظام ہمیشہ ان ممالک پر اپنی گرفت مضبوط رکھتے ہیں۔ ان کی معشیت کو تباہ اور آبادی کو ذہنی غلام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تا کہ یہ ممالک کبھی بھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں اور ان کا دیا گیا استعماری قوتوں کا سرمایہ ہمیشہ محفوظ رہے اور وہ اپنے من پسند منصوبوں پر عمل درآمد کروانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ یہ سرمایہ دار اور استعماری قوتیں کبھی بھی تیسری دنیا اور اس کے لوگوں کی خیر خواہ نہیں ہوسکتیں۔

مارکیز نے طلسماتی فضا کے پردے میں درحقیقت ایسی ہی تلخ حقیقتوں کا اظہار کیا ہے جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ہماری کہانیاں کاغذی پرندے نہیں بلکہ زندگی کی تلخ حقیقتیں ہیں جنھیں کہانیوں کے انداز میں بیان کیا ہے۔

اردو زبان و ادب میں مسلسل ارتقا کا سفر جاری ہے۔ خصوصاً ۶۰ء کی دہائی کے بعد اسلوب، تکنیک اور موضوعات میں کئی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وسعت پیدا ہوئی ہے اور ہر ایک تخلیق کار نے ادب کی دنیا میں اپنے کام کے ذریعے جگہ بنائی ہے اور اس طرح یہ تخلیقی سفر جاری و ساری ہے اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مارکیز ادبی دنیا کا ایک ایسا چمکتا ستارہ ہے جس نے اپنے پورے عہد پر اثرات مرتب کیے ہیں وہ ایسا ادیب ہے جو اپنے مستقبل کے بارے میں پُرامید ہے کہ اس دنیا سے آخر کار دکھ، تنہائی، سیاسی و سماجی حالات کی ابتری اور غلامی میں جکڑی قوموں کی سزا ختم ہو گی اور انھیں ایک بار پھر زمین پر اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ضرور ملے گا اور وہ یہ موقع ضرور حاصل کریں گے یہی جذبات و احساسات اردو ادب کے تخلیق نگاروں کے ہاں موجود ہیں جو معاشرے کے پُرگھٹن ماحول میں بھی تازگی اور روشن صبح کی امید لگائے بیٹھے ہیں اور اس کے لیے تگ و دو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

حواشی

۱۔ رضی عابدی، تیسری دنیا کا ادب، (لاہور: مکتبہ فکر و دانش، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۳۸

۲۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء)، ص ۹۲

۳۔ حمیرا اشفاق، اردو فکشن کے جدید رویوں اور رجحانات کے فروغ میں "آج" کا کردار، (ملتان: شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۹۳

۴۔ خالد جاوید، موت کی کتاب، (کراچی: اے۔جی پرنٹنگ سنٹر، ۲۰۱۲ء)، ص ۸۱

۵۔ ایضاً، ص ۸۰

۶۔ ایضاً، ص ۴۹

۷۔ حمیرا اشفاق، اردو فکشن کے جدید رویوں اور رجحانات کے فروغ میں "آج" کا کردار، ص ۲۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۱

۹۔ عبدالعزیز ملک، اردو افسانے میں جادوئی حقیقت نگاری، (سرگودھا: سرگودھا یونی ورسٹی، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۳۵

۱۰۔ محمد خالد اختر، مجموعہ محمد خالد اختر، جلد سوم، افسانے، (کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۳۰۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۸

۱۲۔ اسد محمد خان، کہانیاں جو لکھیں، (اسلام آباد: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۵

۱۳۔ مہر افشاں فاروقی، *The Oxford India Anthology of Modern Urdu Literature*، (نئی دہلی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۱۳

۱۴۔ آصف فرخی، میرے بھی دن گزر رہے ہیں، (کراچی: اے۔جی پرنٹرز، ۲۰۰۹ء)، کتاب کا گرد پوش

۱۵۔ ایضاً، ص۱۲۱

۱۶۔ ایضاً، ص۵۴

۱۷۔ اجمل کمال، گائبرئیل گارشیا مارکیز، منتخب تحریریں، (کراچی: سٹی پریس بک شاپ، ۲۰۱۱ء)، ص۵۲۸

مآخذ

۱۔ اختر، محمد خالد، مجموعہ محمد خالد اختر، جلد سوم، افسانے، کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء

۲۔ اشفاق، حمیرا، اردو فکشن کے جدید رویوں اور رجحانات کے فروغ میں "آج" کا کردار، ملتان: شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی، ۲۰۱۹ء

۳۔ بیگ، حامد، مرزا، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء

۴۔ جاوید، خالد، موت کی کتاب، کراچی: اے۔جی پرنٹنگ سنٹر، ۲۰۱۲ء

۵۔ خان، اسد محمد، کہانیاں جو لکھیں، اسلام آباد: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۶ء

۶۔ عابدی، رضی، تیسری دنیا کا ادب، لاہور: مکتبہ فکر و دانش، ۱۹۸۸ء

۷۔ فاروقی، مہر افشاں، *The Oxford India Anthology of Modern Urdu Literature*، نئی دہلی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۸ء

۸۔ فرخی، آصف، میرے بھی دن گزر رہے ہیں، کراچی: اے۔جی پرنٹرز، ۲۰۰۹ء

۹۔ کمال، اجمل، گائبرئیل گارشیا مارکیز، منتخب تحریریں، کراچی: سٹی پریس بک شاپ، ۲۰۱۱ء

۱۰۔ ملک، عبدالعزیز، اردو افسانے میں جادوئی حقیقت نگاری، سرگودھا: سرگودھا یونی ورسٹی، ۲۰۱۴ء

References

1. Razi Abidi, *Teesri Duniya ka Adab*, (Lahore: Maktaba-e-Fikr-o-Danish, 1988), p.138
2. Mirza Hamid Baig, *Urdu Afsanay ki Riwayat*, (Islamabad: Pakisan Academy of Letters, 1991), p.92
3. Humaira Ishfaq, *Urdu fiction kay Jaded Rawaiyon aur Rujhanat kay farogh mein "Aaj" ka Kirdar*, (Multan: Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, 2019), p.193
4. Khalid Javed, *Maut ki Kitab*, (Karachi: A. G. Printing Centre, 2012), p. 81
5. Ibid, p.80
6. Ibid, p.49
7. Humaira Ishfaq, *Urdu fiction kay Jaded Rawaiyon aur Rujhanat kay farogh mein "Aaj" ka Kirdar*, p.29
8. Ibid, p.11
9. Abdul Aziz Malik, *Urdu Afsanay mein Jadui Haqeeqat nigari*, (Sargodha: University of Sargodha, 2014), p.135
10. Muhammad Khalid Akhtar, *Majmua Muhammad Khalid Akhtar*, Vol. 3,

(Afsanay), (Karachi: Oxford University Press, 2011), p.302
11. Ibid, p.68
12. Asad Muhammad Khan, *Jo Kahanian Likheen*, (Karachi: Academy Bazyaft, 2006), p.15
13. Mehr Afshan Farooqi, *The Oxford India Anthology of Modern Urdu Literature, Fiction*, (New Delhi: Oxford University Press, 2008), p.213
14. Asif Farrukhi, *Meray Din Guzar Rahay hain*, (Karachi: AG Printers, 2009), Dust cover
15. Ibid, p.121
16. Ibid, p.54
17. Ajmal Kamal (Ed.), *Gabriel Garcia Márquez: Muntakhib Tahrirain*, (Karachi: City Press, 2011), p.528

Bibliography:

1. Abidi, Razi, *Teesri Duniya ka Adab*, Lahore: Maktaba-e-Fikar-o-Danish, 1988
2. Akhtar, Muhammad Khalid, *Majmua Muhammad Khalid Akhtar*, Vol. 3, (Afsanay), Karachi: Oxford University Press, 2011
3. Farooqi, Mehr Afshan, *The Oxford India Anthology of Modern Urdu Literature, Fiction*, New Delhi: Oxford University Press, 2008
4. Farrukhi, Asif, *Meray Din guzar rahay hain*, (Karachi: AG Printers, 2009), Dust cover
5. Hamid Baig, Mirza, *Urdu Afsanay ki Riwayat*, Islamabad: Pakisan Academy of Letters, 1991
6. Ishfaq, Humaira, *Urdu fiction kay Jaded Rawaiyon aur Rujhanat kay farogh mein "Aaj" ka Kirdar*, Multan: Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, 2019
7. Javed, Khalid, *Maut ki Kitab*, Karachi: AG Printing Centre, 2012
8. Kamal, Ajmal (Ed.), *Gabriel Garcia Márquez: Muntakhib Tahrirain*, Karachi: City Press, 2011
9. Khan, Asad Muhammad, *Jo Kahanian Likheen*, Karachi: Academy Bazyaft, 2006
10. Malik, Abdul Aziz, *Urdu Afsanay mein Jadui Haqeeqat nigari*, Sargodha: University of Sargodha, 2014